ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے دور میں اجتہاد کی مختلف نوعتیں اور فیصلے

IJTIHAD IN ERA OF SAHABA (R.A) AND TAB'EEN, DECISIONS AND DIFFERENT TYEPS

☆محمد حسنین
ایم فل اسکالر، شعبہ اسلامی فکر و تہذیب، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

ABSTRACT

Ijtihad is the Pure Islamic Term which use in Hadith, and Its term defined by Fuqaha, and great scholar those know its meaning deeply. In the era of Khulafa -e-Rashideen we found a numerous issues which Sahaba R.A used method of Ijtihad to massive role in different aspects like development of social, political, legal and economic fields to raise and enhance the magnitude of Islamic rules. But there are many fundamental questions that who has a right to practice of Ijtihad, what are the standards and principles of Ijtihad, So answer of these questions we should must follow firstly, (1) Quran, (2) Hadith & and Second one Ijmah (consensus) of Sahaba R.A, these are the basics principles, after following these rules, a scholar can use the method of Ijtihad in modern era, Social issues, science issues, political and economical issues.

Key words: *Ijtihad, Fiqh, Islamic Jurisprudance*

روئے زمین پر صحابہ کرامj وہ جماعت تھی، جنہیں براہِ راست رسول اکرمﷺ سے سیکھنے اور فیض حاصل کرنے کا موقع ملا، یہ شرف کبار صحابہ سے لے کر آخری صحابی کو حاصل ہے، لیکن ان کے مراتب اور درجات اسی اعتبار سے ہیں، جس طرح رسول اکرمﷺ سے فیض حاصل کرتے ہوئے انہوں نے دین اسلام کی خدمت فرمائی اور ہم تنگی و مصیبت میں رسول کریمﷺ کے ساتھ شانہ بشانہ رہے، خلفائے راشدین خصوصی طور پر اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ انہیں خصوصی طور پر نبی کریمﷺ سے سیکھنے کا موقع ملا، اور جس طرح انہوں نے اسلام کو تقویت پہنچانے میں آپﷺ کا ساتھ دیا، تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ جس طرح صحابہ کرام zنبی کریمﷺ فیض یاب اور فیض بار ہونے والی جماعت ہے، اسی طرح ان کی فہم و فراست اور ادراک بھی بعد کے ادوار والوں سے کہیں زیادہ تھا۔ خصوصاً خلفائے راشدین نے جس طرح اپنی اپنی خلافت میں فیصلے فرمائے اور امت کی رہنمائی فرمائی، تاریخ ان لازوال فیصلوں کو کبھی فراموش نہیں کرے گی، اور تاقیامِ قیامت ان فیصلوں کی روشنی میں امت محمدیہ اپنے فیصلوں کو استوار بھی رکھے گی اور ان پر عملداری کیلئے بھی ہر ممکن کوشش کرے گی۔ ان فیصلوں کو ایک اور حوالے سے بھی اہمیت حاصل ہے اور وہ حوالہ ہے ان کا تمسک بالدین ، یعنی جس قدر انہوں نے اپنے فیصلوں میں نبی کریمﷺ کی فیصلوں اور آراء کو سامنے رکھا ، یہی وہ وجہ ہے جس کی وجہ سے امت محمدیہ اس فیصلے پر متفق ہوگئی، کہ صحابہ کرام zکے کیے ہوئے فیصلے نبوی تعلیمات کی روشنی میں تھے، جس سے وحدت کی فضا قائم ہوتی ہے اور افتراق و انتشار کا قلع قمع ہوتا ہے۔ بعد میں آنے والے محدثین و آئمہ کرام نے جس قدر صحابہ کرام zکی فیصلوں اور فہم کو تسلیم کیا اور ان کو اہمیت دی ، اس بنا پر ان کے فیصلے بھی امت میں مقبول عام کے منصب پر فائز ہوئے، مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کے فیصلوں میں تعامل اہلِ مدینہ کا رنگ واضح طور پر نظر آتا ہے، کیونکہ اہل مدینہ خصوصی طور پر نبی کریمﷺ کی حیاتِ طیبہ سے کسب فیض حاصل کرنے والے تھے، چنانچہ محدثین کی ایک جماعت جن میں امام مالک کا نام سرفہرست ہے، انہوں نے فقہی اور قانونی فیصلوں میں اہل مدینہ کی رائے اور ان کے عمل کو خصوصی اہمیت دی۔ اسی بناء پر دیگر محدثین نے بھی اجتہادی طور پر فیصلے کرتے ہوئے امت کی رہنمائی فرمائی۔

خلافتِ راشدہ میں اگرچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی انفرادی حیثیت میں اجتہاد کرتے تھے لیکن بہت سے مسائل ایسے بھی تھے کہ جن کی نزاکت کے پیش نظر اجتماعی اجتہاد و مشارت کے ذریعے ان کا حل نکالنے کی کوشش کی گئی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ باہمی مشورے اور تبادلۂ خیال کے نتیجے میں ایک رائے تک پہنچنے کا طرزِ عمل خلافتِ راشدہ میں بہت نمایاں رہا ہے، اس عرصے میں صحابہyکے درمیان بہت سے اہم مسائل کو باہمی مشورے سے حل کیا گیا، مختلف روایات میں صحابہ yکے اجتماعی اجتہاد کے متعدد مثالیں ہمیں ملتی ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نبی کریمﷺ ان سے معاملات میں مشاورت فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

{وَشَاوِرْهُمْ فِي الأَمْرِ}۔[1]

"آپ ان سے اہم امور میں مشورہ فرمایئے"۔

اور ارشادِ الٰہی ہے:

{اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰکَ اللّٰهُ}[2]

"ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ آپ کو سمجھائے"۔

مولانا سیف اللہ رحمانی "قاموس الفقہ" میں دونوں آیات کے متعلق لکھتے ہیں:

" یہاں "آپ کو سمجھائے" میں اجتہاد کی طرف واضح اشارہ ہے، یعنی احکام خداوندی کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعہ آپ کی جو رائے بنے، علامہ قرطبی نے بھی "بما اراک اللہ" میں قیاس کو شامل رکھا ہے...

---

[1] آل عمران، ۳: ۱۵۹

[2] النساء، ۴: ۱۰۵

امر سے مراد اہم معاملات ہیں جس میں احکام شرعیہ بھی داخل ہیں اور مشورہ ظاہر ہے کہ ان ہی امور میں لیا جاسکتا ہے، جن کے بارے میں نص موجود نہ ہو، جن امور کی بابت نصوص موجود ہوں، ان میں مشورہ لینے کا کوئی معنی نہیں"۔[1]

سورۂ نساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُوْلِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ}۔[2]

"اگر لوگ اس معاملہ کو رسول کی طرف اور اپنے میں سے ذمہ داروں کی طرف لوٹا دیتے ہوتے تو ان میں سے جو لوگ استنباط کرسکتے ہیں وہ اسے سمجھ لیتے"۔

عہد نبی ﷺ میں صحابہ کا اجتہاد:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کن معاملات میں اجتہاد کو اہمیت دیتے تھے، اور ان کا اجتہاد کا طریقہ کار کیا تھا، اس سے متعلق مولانا سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

" یہ بات تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں ایک بڑی تعداد ان حضرات کی تھی جو مقام اجتہاد پر فائز تھے، اس سلسلہ میں فقہاء صحابہ کی بابت علامہ ابن قیم کا بیان اور فتاویٰ کی قلت وکثرت کے اعتبار سے صحابہ اصحاب افتاء کی درجہ بندی لائق مطالعہ ہے اور اصحابِ نظر کی نظر سے مخفی نہیں ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد میں بھی اجتہاد کیا ہے اور کیا ہے تو آپ کی موجودگی میں یا اس وقت جب وہ آپ کے پاس نہیں تھے؟ علماء اصول نے اس پر بھی بحث کی اور بحیثیت مجموعی اس سلسلہ میں چار نقاط نظر ہیں:

پہلی رائے:

اول یہ کہ صحابہ نے عہد نبوی میں اجتہاد کیا ہے، اجتہاد آپ کے سامنے بھی کیا ہے اور آپ کے پیچھے بھی، یہی رائے امام محمد کی ہے، اسی کے قائل قاضی بیضاوی، امام غزالی، علامہ آمدی اور امام رازی ہیں، اور یہی نقطہ نظر علامہ ابن حاجب مالکی کا ہے۔

دوسری رائے:

دوسری رائے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے تو صحابہ اجتہاد نہیں کرتے تھے، لیکن آپ کی عدم موجودگی میں کیا کرتے تھے، یہ رائے امام جوینی کی ہے، بعض اور اہل علم کی طرف یہ رائے منسوب ہے اور یہی معتزلہ میں قاضی عبدالجبار کا نقطہ نظر ہے۔

تیسری رائے:

تیسری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں صرف قاضیوں او روالیوں کو اجتہاد کی اجازت تھی دوسروں کو نہیں۔

چوتھی رائے:

چوتھا نقطہ نظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں صحابہ کے لیے اجتہاد کی گنجائش ہی نہیں تھی، اکثر معتزلی علماء جیسے قاضی ابو علی جبائی اور ابو ہاشم وغیرہ اسی کے قائل ہیں"۔[3]

دوسرے مقام پر مولانا سیف اللہ ، نبی ﷺ کی موجودگی میں صحابہ کرام کے اجتہاد کرنے کے واقعات کو درج ذیل انداز میں نقل کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں بھی صحابہ کے اجتہاد کرنے کے متعدد واقعات موجود ہیں:

۱۔ واقعہ بنو قریظہ میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حَکَم بنایا اور ان کے فیصلہ کو سراہا اور ارشاد فرمایا:

''قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللَّهِ'' ۔[4]

"اللہ کے حکم پر فیصلہ کرنا"۔

پس حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے بنو قریظہ کو محاربین پر قیاس فرمایا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"جَاءَ رَجُلَانِ يَخْتَصِمَانِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ:اقْضِ بَيْنَهُمَا۔قَالَ:وَأَنْتَ هَاهُنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟قَالَ: نَعَمْ قَالَ:عَلَى مَا أَقْضِى؟ قَالَ:إِنِ اجْتَهَدْتَ فَأَصَبْتَ لَکَ عَشَرَةُ أُجُورٍ۔وَإِنِ اجْتَهَدْتَ فَأَخْطَأْتَ فَلَکَ أَجْرٌ وَاحِدٌ"۔[5]

"رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمی اپنا مقدمہ لائے، آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن العاص صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ وہ اس کا فیصلہ کریں، حضرت عمرو بن العاص صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا آپ کی موجودگی میں ہم فیصلہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! حضرت عمرو صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں کس بنیاد پر فیصلہ کروں؟ ''بما اقضی'' آپ ﷺ نے فرمایا اجتہاد کرو، اگر تم نے صحیح اجتہاد کیا تو تمہارے لیے دس گنا اجر ہے اور اگر اجتہاد میں غلطی کی تو ایک گنا اجر ہے"۔

---

[1] رحمانی ، سیف اللہ، مولانا، "قاموس الفقہ"، زمزم پبلشرز۔کراچی، ج:۱، ص: ۵۰۵

[2] النساء، ۴: ۸۳

[3] سیف اللہ رحمانی، "قاموس الفقہ"، ج:۱، ص: ۵۰۶‘۵۰۷

[4] بخاری، محمد بن اسماعیل، ابو عبداللہ، امام ، ''الجامع الصحیح''، کتاب المغازی، بَابُ مَرْجِعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الأَحْزَابِ، وَمَخْرَجِهِ إِلَى بَنِى قُرَيْظَةَ وَمُحَاصَرَتِهِ إِيَّاهُمْ

[5] دارقطنی، مسعود بن النعمان بن دینار، ابو الحسن علی بن عمر، "سنن الدارقطنی"، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔لبنان، ج:۵، ص:۳۶۱، الرقم: ۴۴۵۷

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

۳۔ غزوہ بنو قریظہ کے موقع سے رسول اللہ ﷺ نے غزوہ احزاب کے ساتھ ہی اعلان فرمایا کہ سب لوگ بنو قریظہ میں نماز عصر ادا کریں، اب بعض حضرات نے تو نماز میں تاخیر ہونے کے باوجود بنو قریظہ پہنچ کر ہی نماز ادا کی اور بعض نے ارشاد نبوی کی روح پر نظر رکھتے ہوئے سوچا کہ اصل مقصود یہ ہے کہ تاخیر نہ کی جائے، اس لیے انہوں نے راستہ میں نماز ادا کرتے ہوئے جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کی، رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر آیا، لیکن آپ نے دونوں مین سے کسی کے رویہ پر بھی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں فرمایا۔

۴۔ ایک غزوہ کے موقع پر حضرت ابوقتادہ صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک کافر کو قتل کر ڈالا تھا اور اس مقتول کے سامانِ جنگ جسے عربی زبان میں "سلب" کہتے ہیں، پر یاک دوسرے مجاہد نے قبضہ کر لیا، رسول اللہ ﷺ موجود تھے ، حضرت ابوبکر h نے ان صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ خدا کا ایک بندہ خدا کی راہ میں جہاد کرے اور اس کے ہاتھوں قتل کیے گئے آدمی کا "سلب" جس کا وہ حقدار ہے تم لے لو، یہ گویا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا، حضور اکرم ﷺ نے سنا اور فرمایا: " صدق ابوبکر وصدق فتواہ"۔[1]

غرض کہ صحابہ آپ کی موجودگی میں بھی اور عدم موجودگی میں بھی اجتہاد کیا کرتے تھے، چنانچہ قاسم ابن محمد نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان و علی jعہد نبوی میں فتاوی دیتے تھے۔اور سہل بن ابی ہیثمہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تین مہاجرین حضرت عمر ، حضرت عثمان اور حضرت علی اور تین انصار حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم فتویٰ دیا کرتے تھے۔[2]

خلیفۂ اول کی تقرری میں باہمی مشاورت:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہابیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے وفات پانے کے بعد خلیفہ کے چنائو کامسئلہ پیش آیا، چنانچہ امیر کے تعین کے حوالے سے انصار و مہاجرین نے باہم مشورہ کیا اور اتفاقِ رائے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کر لیا :

''وَاجْتَمَعَتِ الأَنْصَارُ إِلَى سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ فِي سَقِيفَةِ بَنِي سَاعِدَةَ، فَقَالُوا: مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ، فَذَهَبَ إِلَيْهِمْ أَبُو بَكْرٍ، وَعُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ، وَأَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الجَرَّاحِ، فَذَهَبَ عُمَرُ يَتَكَلَّمُ فَأَسْكَتَهُ أَبُو بَكْرٍ، وَكَانَ عُمَرُ يَقُولُ:وَاللَّهِ مَا أَرَدْتُ بِذَلِكَ إِلَّا أَنِّي قَدْ هَيَّأْتُ كَلاَمًا قَدْ أَعْجَبَنِي، خَشِيتُ أَنْ لاَ يَبْلُغَهُ أَبُو بَكْرٍ، ثُمَّ تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَتَكَلَّمَ أَبْلَغَ النَّاسِ، فَقَالَ فِي كَلاَمِهِ:نَحْنُ الأُمَرَاءُ وَأَنْتُمُ الوُزَرَاءُ، فَقَالَ حُبَابُ بْنُ المُنْذِرِ:لاَ وَاللَّهِ لاَ نَفْعَلُ، مِنَّا أَمِيرٌ، وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ:لاَ، وَلَكِنَّا الأُمَرَاءُ، وَأَنْتُمُ الوُزَرَاءُ، هُمْ أَوْسَطُ العَرَبِ دَارًا، وَأَعْرَبُهُمْ أَحْسَابًا، فَبَايِعُوا عُمَرَ، أَوْ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الجَرَّاحِ، فَقَالَ عُمَرُ:بَلْ نُبَايِعُكَ أَنْتَ، فَأَنْتَ سَيِّدُنَا، وَخَيْرُنَا، وَأَحَبُّنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ عُمَرُ بِيَدِهِ فَبَايَعَهُ، وَبَايَعَهُ النَّاسُ''۔[3]

"اور انصار سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادۃ h کے ساتھ اکٹھے ہوئے، انہوں نے کہا: ایک امیر ہم (انصار) میں سے ہو گا اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے، پس حضرت ابوبکر، عمر اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم ان کی طرف گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بات شروع کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو خاموش کروا دیا، حضرت عمر h کہتے تھے:اللہ کی قسم! میں نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ میں نے اس وقت خطاب کے لیے ایک ایسی عبارت تیار کر لی تھی، جس کا کہنا مجھے بھلا محسوس ہو رہا تھا اور مجھے یہ اندیشہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ کلام نہ کریں گے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بہت ہی بلیغ کلام کیا اور اس کلام میں یہ بھی کہا: ہم امراء ہیں اور تم وزراء، پس حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! ہم اس پر راضی نہ ہوں گے، ایک امیر تم میں سے ہو گا اور ایک ہم میں سے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں، امیر ہم میں سے ہی ہو گا اور تم وزیر ہو گے، قریش اہلِ عرب میں مقام کے اعتبار سے سب سے بلند اور حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے افضل ہیں، پس اے لوگو! عمر رضی اللہ عنہ یا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لو، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:ہم تو آپ کی بیعت کرتے ہیں، آپ ہمارے سردار، ہم میں سے سب سے بہتر اور اللہ کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور عام صحابہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جمع قرآن کے بارے میں اجتماعی اجتہاد:

مختلف صحابہؓ کے پاس قرآن مجید کے مختلف حصے کھجور کی شاخوں، پٹھوں، چمڑوں اور پتھروں پر لکھے ہوئے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں جنگِ یمامہ کے دوران بہت سے قراء صحابہ شہید ہو گئے، جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ اگر اسی طرح صحابہ کرامؓ شہید ہوتے رہے تو مسلمانوں میں سے قرآن اٹھ جائے گا، پس اس سلسلے میں انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا اور قرآن کو کتابی شکل میں ایک جگہ جمع کرنے کی تجویز پیش کی، ایک روایت یوں ہے:

'' عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ اليَمَامَةِ، فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ عِنْدَهُ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ:إِنَّ القَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ اليَمَامَةِ بِقُرَّاءِ القُرْآنِ، وَإِنِّي أَخْشَى أَنْ يَسْتَحِرَّ القَتْلُ بِالقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ، فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِنَ القُرْآنِ، وَإِنِّي أَرَى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ القُرْآنِ، قُلْتُ لِعُمَرَ:كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ عُمَرُ:هَذَا وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِذَلِكَ، وَرَأَيْتُ فِي ذَلِكَ الَّذِي رَأَى عُمَرُ، قَالَ زَيْدٌ:قَالَ أَبُو بَكْرٍ:إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لاَ نَتَّهِمُكَ، وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَتَبَّعِ القُرْآنَ فَاجْمَعْهُ، فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ القُرْآنِ، قُلْتُ: كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟، قَالَ:هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَزَلْ أَبُو بَكْرٍ يُرَاجِعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَتَتَبَّعْتُ القُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ العُسُبِ وَاللِّخَافِ، وَصُدُورِ الرِّجَالِ، حَتَّى وَجَدْتُ آخِرَ سُورَةِ التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ، {لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ}[التوبة:۱۲۸]حَتَّى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ، فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللَّهُ، ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ، ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ''۔[4]

"حضرت عبید بن سباق سے مروی ہے کہ حضرت زید بن ثابت h نے فرمایا: حضرت ابوبکر h نے مجھے اہلِ یمامہ کی شہادت کے حوالے سے بلوا بھیجا، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ان کے پاس موجود تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:بے شک عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں: جنگ یمامہ میں قراء کی ایک بہت بڑی تعداد شہید ہو گئی ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ دوسرے مقامات پر بھی اسی طرح شہداء کی شہادت ہو اور قرآن کا اکثر حصہ اس طرح سے ضائع ہوجائے، میری رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ جمع قرآن کا حکم دیں، میں نے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ وہ کام کیسے کریں گے جو اللہ کے رسول ﷺ نے نہ کیا، حضرت عمر h نے کہا: اللہ کی قسم! یہ کام خیر ہی خیر ہے، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہی بات کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام

---

[1] سیف اللہ رحمانی، "قاموس الفقہ"، ج:۱، ص: ۹۵۰

[2] سیف اللہ رحمانی،"قاموس الفقہ"،ج:۱،ص:۵۰۹

[3] بخاری، ''الجامع الصحيح ''، كتاب المناقب، باب قول النبیﷺ لو كنت متخذا خليلاً

[4] بخاری، ''الجامع الصحيح ''، كتاب الأحكام، باب يستحب للكاتب أن يكون آميناً عاقلاً

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میری رائے بھی اس مسئلے میں وہی ہو گئی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے، حضرت زید h کہتے ہیں:حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:تم ایک نوجوان اور سمجھدار آدمی ہو، ہم تمہارے اندر کوئی عیب بھی نہیں دیکھتے اور تم اللہ کے رسول ﷺ کے لیے وحی بھی لکھا کرتے تھے، پس تم قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو، حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے منتقل کرنے کا حکم دیتے تو یہ مجھ پر جمع قرآن کے بارے میں ان کی طرف سے دیے گئے حکم سے زیادہ بھاری نہ تھا، میں نے کہا: آپؓ حضرات وہ کام کیسے کر لیں گے جو اللہ کے رسول ﷺ نے نہ کیا، حضرت ابو بکر h نے کہا:اللہ کی قسم! اس کام میں بھلائی ہی بھلائی ہے، پس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسلسل مجھ سے اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس کام کے لیے میرے سینے کو بھی کھول دیا کہ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما کے سینے کو کھول دیا تھا، پس میں نے قرآن کو تلاش کرتے ہوئے، کھجور کی شاخوں، چوڑے پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کیا یہاں تک کہ میں نے سورۃ توبہ کی آخری آیت {لَقَدْ جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ}حضرت ابو خزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں پائی، پس یہ صحیفے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی وفات تک رہے اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اور ان کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے"۔

عدالتی فیصلوں میں اجتہاد :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے کے معروف قاضی القضاء حضرت شریح رحمہ اللہ کو خط ارسال کیا اور فرمایا، سنن دارمی کی روایت یوں ہے:

'' أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ مُسْهِرٍ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنْ شُرَيْحٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَتَبَ إِلَيْهِ:إِنْ جَاءَكَ شَيْءٌ فِي كِتَابِ اللَّهِ، فَاقْضِ بِهِ وَلَا تَلْفِتْكَ عَنْهُ الرِّجَالُ، فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ فَانْظُرْ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاقْضِ بِهَا، فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَمْ يَكُنْ فِيهِ سُنَّةٌ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَانْظُرْ مَا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ فَخُذْ بِهِ، فَإِنْ جَاءَكَ مَا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللَّهِ وَلَمْ يَكُنْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَتَكَلَّمْ فِيهِ أَحَدٌ قَبْلَكَ،فَاخْتَرْ أَيَّ الْأَمْرَيْنِ شِئْتَ:إِنْ شِئْتَ أَنْ تَجْتَهِدَ برأيك ثُمَّ تَقَدَّمَ فَتَقَدَّمْ، وَإِنْ شِئْتَ أَنْ تتأخَّرَ، فَتَأَخَّرْ، وَلَا أَرَى التَّأَخُّرَ إِلَّا خَيْرًا لَكَ''۔[1]

"ہمیں محمد بن عیینہ نے علی بن مسہر سے، انہوں نے ابو اسحاق سے، انہوں نے شعبی سے، انہوں نے شریح سے خبر دی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف ایک خط لکھا، اگر تمہارے پاس کوئی مسئلہ آئے جو کتاب اللہ میں ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور لوگ تجھے اس سے پھیر نہ دیں، پس جب تم سے کسی چیز کے بارے میں سوال ہو تو کتاب اللہ میں غوروفکر کرو، پس اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ ہو جس کو تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو سنت رسول ﷺ میں تلاش کرو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو، پس اگر وہ ایسا مسئلہ ہو جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول ﷺ میں، تو اس کو تلاش کرو جس پر تمام مسلمانوں نے اتفاق کیا ہو اور اس کو لے لو، پس اگر وہ ایسا مسئلہ ہو جو نہ کتاب اللہ میں ہو اور نہ سنت رسول ﷺ میں، نہ ہی اس کے بارے میں اس سے پہلے کسی نے اجتہاد کیا ہو تو دو کاموں میں سے جو چاہے اختیار کر لو، اگر چاہو تو اپنے رائے بنانے میں اجتہاد کرو اور آگے بڑھتے ہی چلے جاؤ اور اگر چاہو تو ٹھہرے رہو، پس ٹھہرے ہی رہو، میں تمہارے لیے توقف کو پسند کرتا ہوں"۔

مرتدین کے قتل سے متعلق مشاورت :

آپ ﷺ کے بعد بعض قبائل نے زکوۃ دینے سے انکار کر دیا، اس پر حضرت ابو بکر h نے ان سے قتال کا ارادہ ظاہر کیا تو بعض صحابہ j نے انہیں اس سے منع کیا، لیکن بالآخر ان سب کا مرتدین سے قتال پر اتفاق ہو گیا، ایک روایت میں ہے:

'' أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ:لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ العَرَبِ، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ؟ وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا:لاَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَالَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ، وَحِسَابُهُ عَلَى اللَّهِ فَقَالَ:وَاللَّهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلاَةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ المَالِ، وَاللَّهِ لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا،قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: فَوَاللَّهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَدْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الحَقُّ''۔[2]

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہوئی، حضرت ابو بکر h خلیفہ مقرر ہوئے اور اہلِ عرب میں سے کئی ایک نے کفر کیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کا ارادہ کیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ ان لوگوں سے کیسے قتال کریں گے جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑائی کروں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس جس نے یہ گواہی دے دی تو اس نے مجھ سے اپنا مال اور جان بچالی ،سوائے کلمہ کے حق کے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا:اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے لازماً جنگ کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوۃ میں فرق کیا ہے، بے شک زکوۃ مال کا حق ہے، اللہ کی قسم! اگر انہوں نے مجھ سے ایک رسّی بھی روک لی جسے وہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں ادا کرتے تھے تو میں لازماً اس کے روکنے پر ان سے قتال کروں گا، حضرت عمر h نے کہا:اللہ کی قسم! یہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر h کا سینہ اس کے لیے کھول دیا تھا، پس میں نے بھی یہ جان لیا کہ یہی حق ہے"۔

مولانا محمد تقی امینی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجتہادی فیصلوں سے متعلق لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام کی زندگی سے حالات و زمانہ کی رعایت کا ثبوت رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام نے بہت سے احکام کے موقع و محل متعین کیے تھے اور انتظامی احکام کا اضافہ کیا تھا۔ان سب کی گنجائش قرآن و سنت میں موجود تھی۔اس اضافہ و تعیین سے یہ سمجھنا کہ ان حضرات نے قانون سازی کا سب سے بڑا سرچشمہ اپنے اجتہاد کو قرار دیا تھا اور قرآن و سنت کو اس کے بعد کا درجہ دیا تھا، ناواقفیت پر مبنی اور اجماع امت کے خلاف ہے۔بدقسمتی سے شرعی امور میں تحقیق کا وہی معیار قائم ہو گیا ہے جو یورپ میں مشرقی علوم کا رائج ہے جس میں کیفیت سے زیادہ کمیت پر زور دیا جاتا ہے اور دماغ سے زیادہ ہاتھ پاؤں کی طاقت درکار ہوتی ہے۔مروجہ ادب و تاریخ میں یہ معیار شاید زیادہ محلِ نظر نہ قرار دیا جائے لیکن شخص و شرعی امور میں یہ معیار یقینا محل نظر اور حقیقت سے دور کر دینے والا ہے، پوری زندگی سے صرفِ نظر کرکے چند واقعات کو کلی شکل میں پیش کرنا یا انسان کی جزوی ضرورت کو کلی فلسفہ کی شکل دے دینا موجودہ دور کی ایسی فکری گمراہی ہے کہ جس میں بہت اونچے درجہ کے اسکالر اور نظریات کے بانی تک مبتلا ہیں۔چنانچہ شخصیی امور میں خوابوں، لغزشوں ، ظرافتوں اور خاص طور پر عصبی اختلال کو بنیاد بنا کر نظریہ ایجاد کیا گیا اور لاشعور کو جنسی خواہش کی ابلتی ہوئی دیگ تسلیم کرکے اس میں تمام تر جنسی خواہش کا جذبہ مانا گیا جس کی بنا پر زندگی کی اعلیٰ سرگرمیاں (علم و ہنر، فلسفہ و اخلاق وغیرہ) تک سب انسان کی ناقابلِ تسکین اور مجبوراً ترک کی ہوئی جنسی خواہشات کے بہلانے کا ذریعہ قرار پاتی ہیں۔

---

[1] دارمی، "سنن الدارمی"، کتاب المقدمۃ، باب ماکان علیہ الناس قبل مبعث النبی ﷺ ، ج:۱، ص: ۲۶۵، الرقم: ۱۶۹

[2] بخاری، ''الجامع الصحیح البخاری''، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکاۃ، الرقم: ۱۳۹۹،۱۴۰۰

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

اسی طرح انسان کی معاشی ضرورت کو کلی فلسفہ کی شکل دی گئی اور پیداوار و طریق پیداوار کو زندگی کا نصب العین قرار دے کر خدا، روح، مذہب و اخلاق وغیرہ کو انسان کے وضع کردہ ثابت کیا گیا ہے۔جب شخصی امور میں تحقیق کا یہ انداز چل رہا ہے تو اگر شرعی امور میں چند ضعیف و موضوع روایتوں کو دیکھ کر یا صحیح حدیثوں کا موقع و محل متعین نہ کر سکنے کی وجہ سے پورے ذخیرہ احادیث کا انکار کر دیا جائے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے؟ موجودہ دور میں بہت سے "اسکالر" جن نظریات سے متاثر ہیں ان کے پیش نظر یہ بات نہایت معمولی درجہ کی ہے کہ چند واقعات کو غلط رنگ دے کر خلفائے راشدین کو قرآن و سنت کا نظر انداز کرنے والا ثابت کریں۔ان سے تو اس بات کے ثابت کرنے کی توقع رکھنی چاہیے کہ خلفاء کے پاس زندگی کے ایسے نظریات و تصورات تھے ہی نہیں جو ان کی مادی زندگی کو متعین کرتے تھے، بلکہ خود مادی زندگی ان کے تصورات و نظریات کو متعین والی تھی جس کی بناء پر ان لوگوں نے مادی ضروری کے پیش نظریہ مدنی ضابطوں کو کوئی پرواہ کی اور نہ قرآن و سنت کو کوئی اہمیت دی"۔[1]

قیاس اور رائے سے متعلق صحابہ کرام کے اقوال :

صحابہ کرام نے ضابطہ کے تحت قیاس اور رائے کا استعمال کیا،لیکن قیاس اور رائے کے بارے میں صحابہ کرامzکے چند اقوال ہیں، جن کا اشارہ مولانا تقی امینی نے اپنی کتاب میں کیا ہے:

"صحابہ کرام اور بالخصوص خلفائے راشدین نے کس حد تک قرآن و سنت کو اپنی زندگی میں سمویا تھا، اور کس قدر نظر انداز کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا۔

۱۔ کون آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کون زمین مجھے اُٹھائے گی جب میں اللہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں۔

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: لوگو! اصحاب رائے سے اپنے کو بچاؤ، وہ سنت کے دشمن ہیں، حدیث محفوظ رکھنے سے عاجز ہیں، اس لیے اپنی رائے سے کہتے ہیں۔

۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اگر دین قیاس سے حاصل کیا جاتا تو موزے کے نچلے حصہ پر مسح کرنا اوپر کے حصہ پر مسح کرنے سے زیادہ بہتر ہوتا۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے اہل علم اور صلحاء رخصت ہو جائیں گے اور لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے وہ معاملات میں اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔

۵۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ کے بارے میں فرمایا: اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو۔

۶۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا: یہ عمرhکی رائے ہے صحیح ہے تو خدا کی جانب سے ہے، غلط ہو تو عمرhکی جانب سے ہے۔

۷۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک فتوی کے بارے میں کہا کہ: میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں، اگر صحیح ہے تو اللہ کی جانب سے ہے اور غلط ہے تو میری اور شیطان کی جانب سے ہے، اللہ اور اس کا رسول بری ہے۔

اس قسم کے اقوال و تاثرات کی موجودگی میں قرآن و سنت کو نظر انداز کرنے یا قانون سازی کا اولین سرچشمہ اپنے اجتہاد کو قرار دینے کی بات نہایت لغو اور بے معنی قرار پاتی ہے"۔[2]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات و فرمودات کی جس انداز سے درجہ بندی کی ہے، ان کی فکر کو خلاصہ کے انداز میں مولانا تقی امینی یوں لکھتے ہیں:

"شاہ صاحب کے مذکورہ بیان کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ ایک وہ جن کا تعلق پیغمبرانہ فرائض و تبلیغ رسالت اور مہمات امور دین سے ہے مثلاً عقائد، عبادات، اخلاق، اخبار معاد اور معاملات کے وہ ضروری حصے جو حالات و زمانہ کے اثر کو قبول نہیں کرتے ہیں۔

۲۔ دوسرے وہ جن کا تعلق انسانی باتوں سے ہے یا حالات و زمانہ کے اثر کو قبول کرنے والے ہیں، مثلاً!

(الف) عارضی و جزئی مصلحت کی بنا پر کوئی حکم۔

(ب) حالات و زمانہ کے ساتھ بدلنے والے احکام

(ج) وہ امور جن کو آپ نے شخصی، قومی یا ملکی عادت و رواج کے مطابق کیا۔

(د) وہ امور جو بطور قصہ مشہور تھے اور آپ نے تفنن طبع یا کسی اخلاقی نتیجہ کے طور پر بیان کیا ہے۔

(ر) عربوں کے بعض تجربات و مسلمات و علاج و معالجہ کی باتیں۔

(س) زراعت وغیرہ کے متعلق بعض ذاتی آراء۔وغیرہ

دنیا کے ہر دستور کا دائرہ کار صرف پنے زمانہ کے حالات میں محدود رہتا ہے، اور اس کی نمود کے لیے بالعموم کوئی ایسی صورت اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جس میں مستقبل کی ضمانت ہو۔

لیکن جس دستور کی حیثیت دائمی و عالمگیر ہو اس کی نمود میں دو باتوں کی رعایت ناگزیر ہے۔

(۱) کچھ ایسی چیزیں ہوں جن کا تعلق خاص زمانہ و حالات سے ہو۔

(۲) کچھ ایسی چیزیں ہوں جن کا دائرہ کار بعد کے حالات و ادوار کو اپنے اندر سمیٹ سکے، اگر پہلی چیزیں نہ وہں تو نفاذ کے لیے نمونہ نہیں سامنے آتا۔اور دوسری نہ ہوں تو اس کی دوامی شکل نہیں برقرار رہتی، اسی طرح اگر پہلی کو نظر انداز کر دیا جائے تو مطابقت کی کوئی ضمانت نہیں رہتی اور دوسری کو نظر انداز کر دیا جائے تو ہوس پرستوں کو رنگ آمیزی و ہوس رانی کا پورا موقع مل جاتا ہے۔

اسی بنا پر جن بزرگوں کے پیش نظر 'دستور' کو قابلِ عمل نفاذ اور دائمی شکل میں برقرار رکھنے کا مسئلہ تھا انہوں نے دونوں قسموں میں فرق و امتیاز کو ملحوظ رکھا"۔[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جرح و تعدیل کے ساتھ درایتی معیار کا بھی لحاظ رکھا، اس سے متعلق مولانا تقی امینی رقمطراز ہیں:

"تلاش و تحقیق کے بعد محدثین نے درایتی معیار میں درج ذیل قسم کی چیزیں شامل کی ہیں، مثلاً:

---

[1] تقی امینی، مولانا محمد، "احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت"، الفیصل تاجران۔لاہور، ص: ۱۳۶، ۱۳۷

[2] تقی امینی، مولانا محمد، "احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت"،ص: ۱۳۷، ۱۳۸

[3] تقی امینی، مولانا محمد، "احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت"،ص: ۲۹۶، ۲۹۵

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

۱۔ حدیث قرآن حکیم کے خلاف نہ ہو۔
۲۔ واقعات و مشاہدات کے خلاف نہ ہو۔
۳۔ مسلمہ اصول کے منافی نہ ہو۔
۴۔ حدیث متواتر اور تعامل صحابہ jکے خلاف نہ ہو۔
۵۔ عقل کے خلاف نہ ہو، وہ عقل جو قلب کی تربیت گاہ میں تربیت پائی ہوئی ہو۔
۶۔ اس میں اوہام پرستی کی ترغیب نہ ہو۔
۷۔ معمولی باتوں پر سخت عذاب کی دھمکی نہ ہو۔
۸۔ مضمون روایت میں ایسا اشتباہ نہ ہو جس کی تعبیر و توجیہہ مشکل ہو۔
۹۔ فضائل و مناقب میں غلو سے کام نہ لیا گیا ہو۔
۱۰۔ مصائب کے بیان میں مبالغہ سے کام نہ لیا گیا ہو۔
۱۱۔ ایسی پیشین گوئیاں نہ ہوں جن میں سال اور ماہ کا تعین ہو۔
۱۲۔ ایسے واقعات نہ بیان ہوں جن کا تذکرہ قرآن حکیم اور صحیح حدیثوں میں نہ ہو۔
۱۳۔ الفاظ کی بندش ایسی نہ ہو کہ عربی قواعد پر وہ منطبق نہ ہو سکے۔
۱۴۔ معانی و مفاہیم ایسے نہ ہوں جو شان نبوت اور وقارِ رسالت کے منافی ہوں۔
۱۵۔ نیکی و بھلائی کے معمولی کاموں پر انبیاء و مرسلین جیسے ثواب کی ترغیب نہ ہو، وغیرہ۔[1]

تابعین وتبع تابعین میں اجتہادی کاوشوں کا جائزہ :

تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ کی دینِ اسلام کی سربلندی اور اس کے معانی و مفاہیم کو امتِ محمدیہ تک پہنچانے میں کی گئی کاوشیں لائق تحسین ہیں،آج جن دینی مسائل میں ہم رہنمائی کا ایک وقیع ذخیرہ اپنے درمیان موجود پاتے ہیں، اس کا براہِ راست تعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین تبع تابعین، محدثین اور ائمہ کرام سے ہے، ڈاکٹر وحبۃ الزحیلی اکتاب 'فقہ الاسلامی وادلہ' میں لکھتے ہیں:

"ہمارا عظیم فقہی سرمایہ جو ان تمام احکام کو ترتیب دینا جو لوگوں کی مشکلات کا حل پیش کرتے ہیں اور جو سرمایہ ہمارے سلف صالحین نے ہمارے لیے چھوڑا ہے وہ سرمایہ صرف چار فقہی مذاہب: حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی تک محدود نہیں، وہ ان مشہور تمام مذاہب پر مشتمل ہے جو اب تک باقی اور مشہور ہیں اور جو گئے وقتوں کے ساتھ ختم ہو چکے ہیں جیسے حضرت لیث بن سعد، امام اوزاعی، امام ابن جریر، طبری، دائود، ظاہری، امام ثوری رحمہم اللہ اہل سنت او راہل تشیع کے مذاہب امامیہ اور زیدیہ اس کے علاوہ اباضیہ اور ظاہریہ اور صحابہ کرام وار تابعین اور تبع تابعین کی آراء وغیرہ، یہ سب اس عظیم فقہی سرمائے کا حصہ ہیں، ہم اس فقہی سرمائے سے وہ کچھ پاتے ہیں جو ہمارے نشاۃ ثانیہ کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے میں بڑا ممدومعاون ہو، کیونکہ یہ زیادہ بہتر ہے کہ ہم ان احکام کو اختیار کریں بمقابلہ ان غیر شرعی احکام کے جو مغربی یا شرقی ماٰخذ سے نکلے ہوئے ہوں، اللہ کا دین یسر اور آسانی کا نام ہے نہ کہ تنگی کا اور نہ ہی دین خداوندی میں کوئی حرج اور مشکل ڈالے رکھنے کا تصور ہے، فوائد کا حصول اور حاجات کا پورا کرنا شرعاً ایک قابلِ انجام دہی فعل ہے، لہٰذا قانون کے وضع کرنے والے کسی شخص یا ادارے کے لیے ان تمام فقہی آراء و مذاہب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قوانین وضع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ قاضی اور جج کے بارے میں میری یہ رائے ہے کہ وہ اس بات کا پابند ہے ، مذاہب اربعہ کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے فیصلے کرے تاکہ وہ عرف عام کا پابند رہے، یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ عرف نص کی تخصیص تک کر دیتا ہے اور میں یقینی طور پر یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ جب کوئی قانون ساز شخص جب کسی مذہب کے آسان ہونے کے بارے میں بات کرے یا حوالہ دے تو اس سے اس کا مقصود وہ مذاہب ہوتے ہیں جو اسلامی ممالک میں زیر عمل ہیں، اور مذاہب سے مراد مجتہدین کی آراء ہیں۔کسی بھی قانون ساز کے عمل کے درست ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عام مسلمان مخطۂ کی نظریے کی تائید کرتے ہیں جن کی رائے کے مطابق حق ایک ہوتا ہے کئی نہیں ہوتے، اور مجتہدین میں سے حق تک پہنچنے والا صرف ایک ہوتا ہے سب نہیں، لیکن باقی گنہگار بھی نہیں ہوتے کیونکہ وہ تو اس عمل کو کرنے کا مکلف ہوتا ہے جو اس کا اجتہاد اسے بتاتا ہے اور جو اس کے گمان پر غالب ہوتا ہے، چنانچہ اس بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں صحیح بات، جس کے علاوہ کوئی اور بات صحیح ہو نہیں سکتی، یہ ہے کہ اللہ کا دین ایک ہے اور وہ ہے جو اس نے اپنی کتاب میں اتار اور رسول کو اسے لے کر بھیجا اور اس کو اپنے بندوں کے لیے پسند کیا جیسے اللہ کے نبی بھی ایک ہیں او راللہ کا متعین کردہ قبلہ بھی ایک ہے تو جو شخص اللہ کے متعین کردہ ان امور کی موافقت کرتا ہے حقیقت میں وہی درست ہے اور ٹھیک ہے اور جو خطا کرتا ہے تو اسے صرف اجتہاد کی کوشش پر ایک اجر ملتا ہے، اس کی غلطی پر نہیں اور یہ بات ہی صحیح اور درست ہے ائمہ اربعہ کے ہاں۔لہٰذا حق اور درست بات یا خلق کے لیے نافع بات کا ان اقوال فقہیہ میں سے تلاش کرنا ضروری ہے جو اقوال اپنے قائلین کی طرف درست طور پر منسوب ہوں، اور ان میں سے ان اقوال کو چھوڑ دیا جائے، جو شاذ ہیں اور اصول و مآخذ کے برخلاف ہیں، اور یہ واجب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ اور تابعین رحمہم اللہ کی اتباع کا حکم فرمایا ہے۔[2]

فقہائِ مکہ :

مکہ میں موجود فقہاء صحابہ رضوان اللہ علیم اجمعین میں نمایاں ترین حضرت عبداللہ بن عباسh تھے، جن کے بارے میں نبی اکرمﷺ نے خصوصی طور دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو قرآن کی تفسیر و تاویل کا علم عطا فرمائے، ابن عباسh سے علم تفسیر و فقہ سیکھنے والے معروف فقہائے تابعین درج ذیل تھے، محمد علی السایس'تاریخ الفقہ الاسلامی' میں لکھتے ہیں:

’’ وقد اشتهر من تلامذة: عطاء بن أبي رباح المتوفى وعبدالله بن عبيد بن ابي مليكة وعمرو بن دينار وعكرمة مولى ابن عباس ومجاهد بن جبير‘‘۔[3]

[1] تقی امینی، مولانا محمد، ’’احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت‘‘،ص: ۲۹۹

[2] وھبۃ الزحیلی، ڈاکٹر، الاستاذ، ’’الفقہ الاسلامی وادلۃ‘‘، مجمع الفقہ الاسلامی،دہلی انڈیا، ج:۱، ص:۸۵

[3] السایس، محمد علی، استاذ، ’’تاریخ الفقہ الاسلامی‘‘ ،دارالکتب العلمیہ، بیروت۔لبنان، ص:۱۱۲

”حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے مشہور تلامذہ میں عطا بن ابی رباح اور عبداللہ بن ابی ملیکہ اور عمرو بن دینار اور عکرمہ مولی ابن عباس اور مجاہد بن جبیر رحمہم اللہ شامل ہیں“۔

فقہائے مدینہ:

مدینہ میں جو فقہاء صحابہ افتاء و اجتہاد کے میدان میں معروف تھے، ان میں حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوہریرہ j نمایاں تھے، ان صحابہ کے علمی حلقوں سے فیض یاب اور فیض بار ہونے والے تابعین کی جماعت بہت بڑی ہے، ڈاکٹر تاج عبدالرحمن عروسی لکھتے ہیں:

’’وقد تخرج على أيدى هؤلاء عدد من التابعين وعلى رأسهم سعيد بن المسيب المخزومى رحمه الله أحد الفقهاء السبعة الذين نشروا الفقه والفتوى والعلم والحديث وكان من أعبر الناس للرؤيا وأعلمهم بأنساب وكان يفتي والصحابة متوافرون توفى رحمه الله سنة ۹۳هـ وعروة بن زبير رحمه الله وأبوبكر بن عبدالرحمن المخزومى رحمه الله وخارجه بن زيد بن ثابت والقاسم بن محمد بن أبى بكر وسليمان بن يسار وعبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود وعلى بن الحسين بن على المعروف بزين العابدين وسالم بن عبدالله بن عمر ونافع مولى ابن عمر وأبان بن عثمان وأبو سلمة بن عبدالرحمن بن عوف وجاء ت بعد هذه الطبقة طبقة أخرى منها: أبو بكر محمد بن عمرو بن حزم وعبدالله بن عثمان بن عفان وابنا محمد بن الحنفية ومحمد بن مسلم بن شهاب الزهرى وجعفر بن محمد بن على بن الحسين المعروف بالباقر وربيعة المعروف بربيعة الرأى وانتهت رياسة هذه المدرسة الى الامام مالك رحمه الله‘‘۔[1]

”ان صحابہ j سے تابعین n کی ایک بڑی تعداد نے علم حاصل کیا، جن میں سعید بن مسیب m سب سے نمایاں ہیں اور ان فقہائے سبعہ میں سے ہیں، جنھوں نے فقہ، فتوی، علم اور حدیث کے میدان میں اہم خدمات سرانجام دیں، یہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوابوں کی تعبیر اور انساب کا علم رکھنے والے تھے، انہوں نے صحابہ j کے زمانے میں ہی فتویٰ دینا شروع کر دیا تھا، ان کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی ، اسی طرح عروہ بن زبیر، ابوبکر بن عبدالرحمن مخزومی، خارجہ بن زید بن ثابت، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سلیمان بن یسار، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، علی بن حسین بن علی زین العابدین، سالم بن عبداللہ بن عمر، نافع مولی ابن عمر، ابان بن عثمان اور ابو سلمہ بن عبدالرحمن بن عوف بھی ان معروف تابعین میں سے ہیں جنہیں مذکورہ بالا صحابہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔اس طبقہ فقہاء کے بعد ایک اور طبقہ آیا، جن میں سے ابوبکر محمد بن عمرو بن حزم، عبداللہ بن عثمان بن عفان، محمد بن حنفیہ کے دونوں بیٹے ”محمد بن مسلم بن شہاب زہری“ جعفر بن محمد بن علی بن حسین الباقر اور ربیعہ رائی نمایاں ہیں، اس شہر کے علماء و فقہاء کی قیادت بالآخر امام مالک رضی اللہ عنہ کو منتقل ہو گئی“۔

فقہائے کوفہ:

حرمین سے نکلنے والے صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے کوفہ میں بھی سکونت اختیار کی۔ ان ہجرت کرنے والوں میں حضرت عبد اللہ بن مسعود،حضرت ابو موسی اشعری،حضرت سعد بن ابی وقاص،حضرت عمار بن یاسر،حضرت حذیفہ بن یمان اور حضرت انس بن مالک وغیرہ نمایاں صحابہ ہیں۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دور خلافت میں جب مختلف صحابہ رضی اللہ عنہم کو متفرق اسلامی شہروں کی طرف بھیجا تو اس ہجرت کے مرحلے میں بہت سے صحابہ کوفہ بھی منتقل ہوئے۔مؤرخین کے ایک قول کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ شہادت تک تقریباً تین صد صحابہ کوفہ منتقل ہو چکے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت علی h خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔جس وجہ سے یہ شہر صحابہ کی پہلے کی نسبت اور زیادہ توجہ کا مرکز بنا۔علاوہ ازیں حضرت عبد اللہ بن مسعود h کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے لیے ایک معلم خصوصی کے طور پر بھیجا تھا۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مکتبہ فکر سے مستفید ہونے والے فقہاء و علماء کے بارے ڈاکٹر تاج عبد الرحمن عروسی لکھتے ہیں:

’’من اشهرهم:علقمة بن قيس النخعى والاسود بن يزيد النخعى وابو ميسرة عمرو بن شراحيل الهمدانى ومسروق بن الاجدع الهمدانى وشريح بن الحارث الكندى ثم جاء ت الطبقة الثانية بعد هؤلاء امثال حماد بن أبى سليمان ومنصور بن المعتمر السلمى والمغيرة بن مقسم الضبى وسليمان بن مهران الأعمش وسعيد بن جبير وانتهت رياسة هذه المدرسة الى ابن أبى ليلى وابن شبرمة وشريک القاضى وأبى حنيفة جميعاً ‘‘۔[2]

”اس مکتبہ فکر کے معروف فقہاء میں علقمہ بن قیس نخعی، اسود بن یزید نخعی، ابو میسرہ عمرو بن شراحیل ہمدانی، مسروق بن اجدع ہمدانی اور شریح بن حارث کندی n شامل ہیں، ان فقہاء کے بعد دوسرا طبقہ آیا، جن میں حماد بن ابی سلیمان، منصود بن معتمر سلمی، مغیرہ بن مقسم الضبی اور سلیمان بن مہران الاعمش اور سعید بن جبیر نمایاں ہیں، یہاں تک کہ اس مدرسہ فکر کی انتہاء ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، شریک القاضی اور ابو حنیفہ پر ہوئی“۔

فقہاء کے آپسی تعلقات بعض اوقات کسی مسئلے میں ایک اجتماعی رائے کو قائم کرنے کی بنیاد بن جاتے تھے، امام ذہبی لکھتے ہیں:

” قلت: كان أبو سلمة يتفقه ويناظر ابن عباس ويراجعه“۔[3]

”میں یہ کہتا ہوں: ابو سلمہ حضرت ابن عباس سے فقہ کی سوجھ بوجھ بھی حاصل کرتے تھے اور ان سے مناظرہ بھی کرتے تھے اور ان سے بحث بھی لگاتے تھے“۔

ان دونوں حضرات کے ایک واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا زاہد لکھتے ہیں:

” ایک مرتبہ ایک معروف تابعی اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ایک ابو سلمہ بن عبدالرحمن اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اس عورت کی عدت کے بارے میں اختلاف ہو گیا جو حاملہ تھی اور اس حالت میں اس کے خاوند کا انتقال ہو گیا تھا، ابن عباس کہتے ہیں کہ اس کی عدت ’ابعد الاجلین‘ (دو مدتوں میں سے جو زیادہ طویل ہو)ہے، یعنی چار مہینے دس دن کی مدت اور وضع حمل میں سے جو چیز بعد میں ہو، اس پر اس کی عدت مکمل ہو گی۔ابوسلمہ کہتے ہیں کہ جب بھی بچے کی ولادت ہو جائے، اس کی عدت پوری ہو جائے گی، دونوں اپنی اپنی دلیل بھی پیش کر رہے تھے، اتنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آگئے، انہوں نے کہا: میری رائے بھی ابوسلمہ والی ہے، آخر کار طے ہوا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا جائے، شاید ان کے پاس اس مسئلے میں کوئی حدیث ہو، ام سلمہ رضی اللہ عنہانے

---

[1] السایس، محمد علی، استاذ، ”تاریخ الفقہ الاسلامی“ ، ص:۱۱۳۔۱۱۴

[2] السایس، محمد علی، استاذ، ”تاریخ الفقہ الاسلامی“ ، ص:۱۱۳۔۱۱۴

[3] الذهبی، شمس الدین محمد، ابو عبدالله، امام، ’’تذکرة الحفاظ‘‘، فاران اکیڈمی اردو بازار لاہور، ج:۱، ص:۵۱

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.1 2022

''سبیعۃ أسلمیۃ'' کا واقعہ سنایا کہ ان کے خاوند کے انتقال سے چند روز بعد ہی ان کے ہاں بچے کی ولادت ہو گئی تھی اور حضور اقدس ﷺ نے انہیں دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دی، ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ابو سلمہ والی رائے کی تائید ہو گئی اور ابن عباسh کو رجوع کرنا پڑا۔[1]

دورِ تابعین میں مدینہ میں سات فقہاء تھے جو فقہائے سبعہ کے نام سے معروف تھے، ان فقہاء کی باہمی علمی مجالس بھی منعقد ہوتی تھیں، معروف مؤرخ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

'' أخبرنا أبو القاسم اسماعیل بن أحمد أنا محمد بن وھبۃ أنا محمد بن الحسین أنا عبداللہ بن جعفر ثنا یعقوب نا علی بن الحسن العسقلانی نا أبو عبدالرحمن عبداللہ بن المبارک قال کان فقھاء أھل المدینۃ الذین کانوا یصدرون عن رأیھم سبعۃ سعید بن المسیب وسلیمان بن یسار وسالم بن عبداللہ والقاسم بن محمد وعروۃ بن الزبیر وعبیداللہ بن عبداللہ بن عتبۃ وخارجۃ بن زید وکانوا اذا جاء تھم المسئلہ دخلوا فیہ جمیعًا فنظروا فیھا ولا یقضی القاضی حتی یرفع الیھم فینظرون''۔[2]

''ہمیں ابو القاسم اسمٰعیل بن احمد نے خبر دی، انہوں نے کہا، ہمیں محمد بن وہبہ نے خبر دی، انہوں نے کہا، ہمیں محمد بن حسین نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن جعفر نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں یعقوب نے خبر دی، انہوں نے کہا علی بن حسن عسقلانی نے خبر دی، انہوں نے کہا ابو عبدالرحمن عبداللہ بن مبارک نے یہ کہتے ہوئے خبر دی: فقہائِ اہلِ مدینہ کہ جو اپنی فقہی آراء کا اظہار کرتے تھے، سات تھے اور وہ سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، سالم بن عبداللہ، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور خارجہ بن زیدn تھے، جب ان لوگوں کے پاس کوئی مسئلہ آتا تھا تو وہ اس میں مل جل کر غور کرتے اور کوئی بھی قاضی کسی نئے مسئلے میں اس وقت تک فیصلہ نہیں کرتا تھا جب تک کہ وہ ان کی مجلس میں اس مسئلے کو پیش نہ کر لیتا تھا''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزm اپنے زمانہ خلافت میں قضاۃ کو اس بات کا پابند بناتے تھے کہ جو مسائل قرآن و سنت میں صریحاً مذکور نہ ہوں، ان کا حل علماء سے مشاورت کے ذریعے طے کریں، ابن خلف الو کیعm فرماتے ہیں:

'' أخبرنی الحسن بن أبی الفضل المقری قال حدثنا محمد بن حمید قال حدثنا الحکم بن بشیر بن سلیمان عن عمر بن قیس قال کتب عمر بن عبدالعزیز الی عدی بن أرطاۃ أما بعد فان رأس القضاۃ اتباع ما فی کتاب اللہ ثم القضاء بسنۃ رسول اللہ ثم حکم الأئمۃ الھداۃ ثم استشارۃ ذوی الرأی والعلم وألا تؤثر أحدا علی أحد''۔[3]

''مجھے حسن بن ابی الفضل مقری نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا ہمیں محمد بن حمید نے بیان کیا ہے، انہوں نے کہا، ہمیں حکم بن بشیر بن سلمان نے عمر بن قیس سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عدی بن ارطاۃ (امیر بصرہ) کی طرف ایک خط لکھا (جس کا مضمون کچھ اس طرح سے تھا) اما بعد! بے شک قضاۃ کی بنیاد یہ ہے کہ وہ دوران فیصلہ اس کی اتباع کریں جو کتاب اللہ میں ہے، (اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو) پھر سنت رسول کے مطابق فیصلہ کریں (اگر اس میں بھی نہ ہو تو) ہدایت یافتہ ائمہ کے فیصلوں کو اختیار کر لو (اگر ان میں بھی کسی مسئلے کا حل نہ ملے تو) صاحب رائے اہل علم سے مشورہ کرو اور ان مین سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو''۔

ائمہ اربعہ کے ادوار میں معاصر تجارتی علوم کو سمجھنے کے لیے قرآن و حدیث سے رہنمائی لینے کے ساتھ ساتھ ماہرین فن ، اور ماہرین معیشت سے بھی رائے لی جاتی تھی، تاکہ فیصلوں سازی میں صحیح منہج کا انتخاب کیا جائے، مولانا محمد زاہد لکھتے ہیں:

''امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں معروف ہے کہ وہ کاروباری عرف اور حالات معلوم کرنے کے لیے بازاروں کا چکر لگایا کرتے تھے۔کیونکہ امام صاحب کے ہاں صرف مسئلہ بتا دینا کافی نہیں سمجھا جاتا تھا، بلکہ اس بات کی بھی رعایت رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی کہ اس پر عمل کرنے کے اثرات و نتائج کیا ہوں گے۔اگر اس پر عملی مشکلات مرتب ہونے کا امکان ہوتا تو کوشش کی جاتی کہ کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جس سے اس مشکل کا بھی ازالہ ہو سکے ...فقیہ کا جس طرح مسئلہ شرعیہ سے واقف ہونا ضروری ہے، اسی طرح جس طرح کے حالات پر وہ مسئلہ لاگو ہو رہا ہے، اس سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ اسی وجہ سے بعض فقہائے حنفیہ نے لکھا ہے: ''من لم یکن عالما بأھل زمانہ فھو جاھل ''یعنی جو شخص اپنے اہل زمانہ کے حالات کو نہ جانتا ہو، وہ جاہل ہے''۔[4]

خلاصہ کلام:

عہد نبی ﷺ میں جس طرح مختلف معاملات اور امور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت کی جاتی تھی، اور اسی امر کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے، ''ان سے معاملات میں مشورہ کیجئے''، یہ اس بات کا بین ثبوت ہے، کہ ایسے احکام کا تعلق قرآن و حدیث کے علاوہ تھا، وگرنہ قرآنی نص اور رسول اکرم ﷺ کی واضح حدیث ہونے کی صورت میں صحابہ کرام سے مشورہ کرنے کا مطلب کیا ہوسکتا ہے، اسی طرح صحابہ کرام zنے بھی اپنے عہد میں قرآن و سنت کی روشنی میں فیصلے کیے، اور جہاں کہیں انہیں نئے مسائل کا سامنا ہوا تو انہوں نے کبار صحابہ کی رائے کو اولیت دیتے ہوئے فیصلے کیے۔یہ سلسلہ ائمہ حدیث و فقہ سے ہوتا ہوا مجتہدین و محدثین تک پہنچا، اور آج تک نت نئے مسائل میں اجتہادی کاوشوں کو قرآن و سنت کے تناظر میں سمجھا اور سمجھایا جارہا ہے۔

---

[1] زاہد، محمد، مولانا، ''اجتماعی اجتہاد: تصور، ارتقاء اور عملی صورتیں''، اسلامی اکادمی، ص:۱۶۔۱۷

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم، امام، ''تاریخ دمشق لابن عساکر'' فصل سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب، دارالفکر بیروت۔لبنان، ج:۲۰، ص:۵۷

[3] الو کیع، ابن خلف، امام،'' اخبار القضاۃ''،دارالفکر، بیروت۔لبنان، ج:۱، ص:۷۷

[4] زاہد، محمد، مولانا، ''اجتماعی اجتہاد: تصور، ارتقاء اور عملی صورتیں''،حصہ دوم، ص:۲۶۸